عصر جاہلی کے چند مشہور عربی نثری فنون کا تعارفی مطالعہ

ڈاکٹر شمس الحسن ظہیر*
ڈاکٹر تحسین بی بی**

ABSTRACT

The formatted initiatives of history of Arabic literature are, as ancient as illiterate era. The age had plenty of almost all literary arts, although it were not in the managed shape like Islamic and mode eras. This age had both the literary arts i.e. poetry and prose. The first one was given full attention for hearing, singing and remembering, while the prose was about to be ignored in these aspects. Despite of done practice, some prosaic arts were orally noted and copied generation to generation. Later on, the arts were put down in their proper chapters with the development of the literature in omade and abase tenures. Some varieties of the prosaic arts are hereby introduced with explanation of its historical background, famous authorities, necessity and samples. This research contains on three sections with research study of three main arts; phrases, golden words and addresses. This research is made in descriptive manner in Urdu language. The purpose is, to make Urdu literates know the limitations of Arabic prosaic arts of illiterate era. Thus, it

* اسسٹنٹ پروفیسر، مرکز عربیہ ودراسات اسلامیہ، ویمن یونیورسٹی صوابی
** صدر شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی صوابی

will be a new addition for Urdu literates and writers.

Keywords: عربی لٹریچر، نثری ہنر، تاریخی پس منظر، ناخواندگی، امثال، اقوال زریں، حکمت

مقدمہ

قدیم اور جدید علماءِ ادب نے عربی ادب کی جو خدمت کی ہے اور جن مختلف زاویوں سے اس کو زیرِ بحث لایا ہے وہ ایک طویل الذیل موضوع ہے لیکن فنِ ادب کا ہر شناسا اِس بات کا معترف ہے کہ اُن کی یہ کوششیں نہایت لائق تحسین اور قابلِ شکر ہیں اس لیے کہ ان کے اس جُہد اور کوشش کی اہمیت صرف ادب کی حد تک نہیں بلکہ قرآن وحدیث کے فہم کے لیے بھی یہ ایک مرجع کی حیثیت رکھتا ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان:"یا أیہا الناس: علیکم بدیوانکم لا یضل، قالوا: وما دیواننا ؟ قال: شعر الجاھلیة"[۱] سے عربی دیوان کی اہمیت اُجاگر ہو رہی ہے۔

علم وجہل کے اعتبار سے عربی ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔اول: جاہلی ادب۔دوم: اسلامی ادبی سرمایا۔جاہلی ادب سے مراد اسلام سے پہلے دور کا ادبی سرمایا ہوتا ہے جبکہ اسلامی ادبی سرمایہ سے زمانہ ٔ اسلام اور آمدِ حقانیت کے بعد والا عربی ادب مراد ہوتا ہے۔[۲] مزید یہ کہ جاہلی ادب کا بڑا حصہ نظم اور شعر پر مشتمل ہے جب کہ کچھ حصہ نثر ہے۔

جاہلی نثر کیا ہے؟ اِس کی کیا اہمیت ہے؟ جاہلی نثر کا کتنا سرمایہ ہمیں پہنچا ہے؟اور کون سے نثری فنون ادبی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں؟ ذیل میں ہم اِن مباحث کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہ موضوع تین اہم مباحث پر مشتمل ہے؛ مبحثِ اول میں نثر کی تعریف اور اس کی اقسام کو مدنظر رکھا جائے گا جب کہ مبحثِ ثانی میں نثر کی اہمیت اور عصرِ جاہلی میں ادبی نثر کے وجود پر بحث ہو گی اور مبحثِ ثالث میں نثرِ جاہلی کے چند اہم فنون پر تفصیلا مباحث بیان کیے جاہیں گے۔

---

(۱) التَّفْسِیرُ البَسِیْط، ابوالحسن شافعی نیشابوری، ج۱، ص ۳۲۴

(۲) أحمد بن محمد بن عبد ربه الأندلسي ، العقدالفريد، دار الكتب العلمية،۱۹۸۳ء(۱/۴)۔

مبحثِ اول

نثر کی تعریف اور مفہوم

نثر کا لغوی معنی ہے بکھیرنا۔ علامہ ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہے:"نثر ک الشئی بیدک ترمي به متفرقا مثل نثرالجوز واللوز"[۱]

"یعنی: کسی چیز کو منتشر پھینکنا جیسے اخروٹ اور بادام (نکاح کے موقع پر) پھینکے جاتے ہیں۔ اِس طرح کہا جاتا ہے:

"نثر الكلام أي: أكثر الكلام " یعنی:"اس نے زیادہ باتیں کیں۔"

عام اصطلاح میں نثر نظم کی ضد کے طور پر استعمال ہوتی ہے چونکہ نظم اس کلام کو کہا جاتا ہے جو موزوں اور مقفی ہو تو نثر ایسا کلام کہلائے گا جو اوزانِ شعریہ اور قافیہ کے قیود سے آزاد ہو۔ چنانچہ احمد بن ابراہیم الہاشمی نثر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"النثر: هوما ليس مرتبطا بوزن ولاقافية"[۲]

"نثر اس کلام کو کہتے ہیں جو اوزان اور قافیہ کے ساتھ مربوط نہ ہو۔"

نثر کی اقسام

نثر کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: اول: لغة التخاطب یا محادثہ اور دوم: فنی نثر۔

پہلی قسم ہم اپنے گھروں، دفتروں، بازاروں اور ملنے جلنے کی دوسری جگہوں میں اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے اور اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے جو لغت اور زبان بولتے ہیں ظاہر ہے ایسے موقعوں پر انسان سوچ سمجھ کر خاص ترتیب سے اپنی بات میں موزونیت یا موسیقیت پیدا کرکے دوسروں سے مخاطب نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنے خیالات پیش کرنے میں فنی تسلسل کا خیال رکھتا ہے۔ نہ عقلی اور منطقی اصولوں کو پیش نظر رکھتا ہے اور نہ اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مطلب کو بیان کرنے کے لیے منتخب اور چیدہ الفاظ کو بیان کرے بلکہ ایسے موقعوں پہ جس ترتیب سے موقع و محل کے اعتبار سے خیالات ذہن میں آجاتے ہیں انہیں بیان کرتا جاتا ہے اس طرزِ تخاطب اور اس انداز سے بات کرنے کو عربی میں لغة التخاطب یا محادثہ کہتے ہیں اور اردو میں ہم اس کو

---

(۱) الإفريقى، جمال الدين ابن منظور،لسان العرب، دار صادر، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۱۴ھ (۱۹۱/۵)۔

(۲) احمد بن ابراهيم الهاشمي ،جواهر الادب في ادبيات وإنشاء لغة العرب،المكتبة التجارية الكبرى، ۱۹۶۹ء(۱۶/۲)۔

غیر فنی نثر یا عام بول چال کا نام دے سکتے ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں سادہ اسلوب سے بلند ہو کر بلاغت اور فصاحت کے ساتھ اپنے خیالات اور اغراض کو بیان کیا جائے۔ یہ ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جس سے جذبات میں ایک انقلاب اور ہیجان برپا ہوتا ہے۔اِس میں اپنے خیالات کو الفاظ میں پرونے کے لیے فصیح، خوبصورت اور چیدہ الفاظ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔اسی طرز بیان کو فنی اور ادبی نثر کہا جاتا ہے۔[۱]

یادرہے کہ ادب کا اصل موضوع یہ دوسری قسم ہے جبکہ نثر کی پہلی قسم ادب کا موضوع نہیں ماسوائے ان امثال اور کہاوتوں کے جو عام طرز تخاطب میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عام بول چال میں وہ فنی باریکیاں نہیں ہوتی جو کسی کلام کو عام سطح سے اٹھا کر مقامِ بلاغت تک پہنچادے، اس لیے نثر کی اِس قسم کو ادب کا درجہ حاصل نہیں۔ کیونکہ جب کسی کلام میں فنی شرائط مفقود ہوں، بلند افکار وخیالات سے عاری ہو اور مربوط ومنظم سلیقہ سے خوبصورت اور دلکش انداز میں پیش نہ کیا گیا ہو تو اِس کو ادب کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاتا۔

جبکہ دوسری قسم کو ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نثر کی اس قسم میں چونکہ وزن اور قافیہ نہیں ہوتا لیکن یہ خاص قاعدوں، ضابطوں اور فن کے متفقہ اصولوں کے مطابق خوبصورت ودلکش الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے اور اس میں اثراندازی کا وہ وصف جو کسی نثر کے ادب ہونے کے لیے لازمی شرط ہے کامل طور پر موجود ہوتا ہے۔

پھر اس قسم کی نثر یا تو زبان سے ادا ہوتی ہے یا پھر قلم کے ذریعے سے اسے بیان کیا جاتا ہے پہلی قسم کو خطابت فنیہ اور دوسری قسم کو کتابتِ فنیہ کا نام دیا جاتا ہے۔

---

(۱) شوقي ضيف ، أحمد شوقي عبد السلام ،الفن ومذاهبه في النثر العربي،دار المعارف، بيروت ،۲۰۱۰ء (۱/۱۵)۔

مبحثِ ثانی

نثر کی اہمیت

یہ بات اگرچہ اپنی جگہ درست ہے کہ نظم کو نثر پر امتیازی خصوصیات کی وجہ سے کچھ خاص فضیلت حاصل ہے۔ایک طرف اگر منظومیہ کلام طویل زمانوں اور مختلف اقوام کے گزرنے کے باوجود زندہ رہتا ہے تو دوسری طرف نثر کی بہ نسبت اس نوع کا حافظوں میں محفوظ رہنا بھی سہل ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لغوی تحقیقات کے لیے اشعار کے دواوین ہی شواہد کا درجہ رکھتے ہیں مزید بر آں قرآن پاک کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کی تشریح ہر دونوں کے لیے عربی اشعار ہی کا سہارہ لینا پڑتا ہے۔

اِن تمام حقائق کے باوجود نثر کی اہمیت ایک مسلمہ امر ہے بلکہ بعض وجوہ کے بنا پر نثر، نظم سے بھی بلند رتبہ اور اُونچا شرف رکھتی ہے۔ شعر پر نثر کی فضیلت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شعر ایک خاص وزن اور قافیہ تک محدود رہتا ہے جس کی وجہ سے شاعر الفاظ میں تقدیم و تاخیر، ممدود کو مقصور اور مقصور کو ممدود، منصرف کو غیر منصرف اور غیر منصرف کو منصرف، متروک الفاظ اور فصیح لفظ کو غیر فصیح سے بدلنے کے علاوہ بہت سارے ایسے امور کا محتاج ہوتا ہے جن کا ضرورتِ شعری تقاضا کرتا ہے۔ گویا نظم میں الفاظ اصل ہوتے ہیں اور معانی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں نثر اِن اُمور میں کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتی، اس میں معانی اصل کا درجہ رکھتے ہیں اور معانی اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اِس بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب بھی کسی نثر کے معانی کو نظم کی طرف منتقل کیا جاتا ہے تو اس کا رتبہ کم ہو جاتا ہے۔

مزید بر آں، نثر کی فضیلت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو نثری اسلوب میں نازل فرمایا اور ساتھ ہی اسلوبِ نظم سے نزولِ قرآن کی صراحتاً نفی فرمائی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ﴾[1] یعنی: یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم یقین رکھتے ہو۔

شعر پر نثر کی فضیلت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو شعر سے محفوظ رکھا۔[2]

عصرِ جاہلی میں نثر کا وجود

زمانۂ اسلام سے پہلے دور کا بہت سارا ادبی سرمایہ ضائع ہو چکا ہے اور جو کچھ ہم تک پہنچا ہے ان میں زیادہ تر حصہ

(۱) الحاقۃ ۶۹: ۴۱

(۲) یٰسین: ۶۹

عربی پر مشتمل ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نظم، مقفیٰ اور موزوں ہونے کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز رہا جو زود حفظ بھی ہوتا ہے اور کافی عرصہ تک یاد بھی رہتا ہے۔ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں کتابت کا رواج نہیں تھا اِس لیے نہ تو نثر کی تدوین کا کوئی سامان ہو سکا اور نہ یہ سرمایہ اشعار کی طرح ذہنوں میں محفوظ رہا، لیکن اس کے باوجود عصر جاہلی کی فنی نثر کا وجود ملتا ہے۔ قدیم ادباء اور جدید علمائے ادب کی اکثریت نہ صرف اس زمانہ میں فنی نثر کے وجود کی قائل ہے بلکہ انسانی عقل اور طبیعت دونوں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ جب ان کے لیے شعر کی صورت میں ادبی سرمایا موجود تھا تو نثر کی صورت میں بھی ہو گا اور شعر کی طرح وہ ادبی نثر بھی اچھی طرح تخلیق کرتے ہوں گے۔ چنانچہ یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ عصر جاہلی کے لوگ فنی اور ادبی نثر سے خوب واقف تھے۔ اِس کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ دوسری اقوام جیسے فارس، ہنود اور مصریوں کی فنی نثر کا وجود ملتا ہے تو اہلِ عرب جن کو اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز تھا، کے ہاں کیسے فنی اور ادبی نثر کا وجود نہ ہو گا؟

دوئم: یہ کہ قرآن مجید کا نزول اور اہلِ فصاحت کا اُن کو دعوتِ مقابلہ دینا بھی اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ فنی نثر پر قادر تھے اور فنی نثر کے دقائق اور فصاحت وبلاغت کو سمجھتے تھے ورنہ ان کو چیلنج کرنے کا کیا معنی ہو گا؟

مبحث ثالث

نثر جاہلی کے فنون کا تعارفی مطالعہ

نثر جاہلی کی کم دست یابی کے باوجود، ہمیں جو فنونِ ادب میسر آئے ہیں اُن میں درجہ ذیل مشہور ہوئے۔

۱۔ضربُ الامثال (کہاوتیں) ۲۔ حِکَم (اقوال زریں) ۳۔ خُطب (خطبات)

۱۔امثال (کہاوتیں)

امثال، مَثَل کی جمع ہے جس کے معنی اردو میں کہاوت کے آتا ہے یہ دراصل چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے ہیں جو اختصار کے باوجود اپنے وسیع پس منظر کی وجہ سے مخاطب کو فائدہ تامہ دیتے ہیں۔

مثل کے لغوی معنیٰ، تشبیہ کے معنی کے لیے متضمن ہے چنانچہ ابوہلال عسکری فرماتے ہیں:

"أصل المثل التماثل بين الشيئين، وهو من قولك : هذا مثل الشيء ومثله كما تقول شبه"[1]

"یعنی: مثل کا اصل معنیٰ، دو چیزوں کے درمیان برابری اور مشابہت کے ہے۔ جب تم کہتے ہو کہ:" هذا مثل الشئی ومثله "تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ "یہ چیز اِس چیز کی مانند ہے۔"

اور اس کی اصطلاحی تعریف ادباء کچھ یوں کرتے ہیں:

"وهي عبارات تضرب فى حوادث مشبهة للحوادث الأصلية التي جاءت فيها."[2]

"امثال وہ جملے ہوتے ہیں جو مختلف مواقع میں استعمال کیے جاتے ہیں جن سے مقصود اُن اصلی واقعات کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جن میں یہ جملے وارد ہوئے ہوتے ہیں۔"

عربی امثال کے بارے میں یہ بات یاد رہے کہ یہ بہت دقیق اور مبہم ہوتے ہیں، ان کا پورا مفہوم اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا جب تک اس کی شرح کے لیے کتب امثال کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ نیز مثل کے بارے میں یہ اصول مسلم ہے کہ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا بلکہ جوں کے توں نقل کیا جاتا ہے اگرچہ وہ صرف ونحو یا تذکیر و تانیث کے قواعد کے خلاف ہو۔[3]

---

(۱) ابوهلال العسكری ، جمهرة الامثال،دار الجيل ۱۹۸۸ء (۱/۷)۔

(۲) الفن ومذاهبه في النثر العربي(۱/۲۱)۔

(۳) جمهرة الامثال(۱/۷)۔

ضرب الامثال کا ادبی ورثہ

عصرِ جاہلی نے ہمارے لیے ضرب الامثال کا ایک بڑا ورثہ چھوڑا ہے۔ عباسی دور میں مختلف علمائے کرام نے اس موضوع کی طرف توجہ دی تو سب سے پہلے مفضل الضبی اور ابو عبیدہ نے امثالِ عرب پر لکھا، جو کتاب الامثال کے نام سے مطابع پائے جاتے ہیں ۔ پھر اُن کے بعد ابو ہلال العسکری نے اپنی کتاب 'جمهرة الامثال 'میں اور میدانیؒ نے بھی 'مجمع الامثال 'میں متعلقہ موضوع پر مزید کام کیا۔ چنانچہ علامہ میدانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

"ونظرت فيما جمعه المفضل بن محمد والمفضل بن سلمة حتى لقد تفصحت أكثر من خمسين كتابا"[۱]

"یعنی میں نے ان امثال میں بھی غور کیا جن کو المفضل بن محمد اور المفضل بن سلمہ نے جمع کیا تھا یہاں تک میں نے پچاس کتابوں سے زیادہ کا مطالعہ کیا۔"

چند عربی ضرب الامثال کا مطالعہ:

۱۔قطعت جهيزة قول كل خطيب.[۲] "جہیزہ نے تمام خطباء کی بات کاٹ ڈالی۔"

اس ضرب المثل کا پس منظر یہ ہے کہ کچھ لوگ دو قبیلوں کے درمیان قتل کے معاملے میں صلح کرنے کے لیے جمع ہو گئے تھے مقتول کا قبیلہ قصاص کا مقتضی تھا جبکہ قاتل کا قبیلہ انہیں دیت پر راضی کرنا چاہ رہا تھا۔ اس بارے میں مختلف سردار تقریر کر رہے تھے اچانک ایک جہیزہ نامی باندی آئی اور کہا کہ مقتول کے بعض رشتہ داروں نے قاتل کو قتل کر دیا، تو اس دوران ایک آدمی کہنے لگے: "قطعت جهيزة قول كل خطيب" یہ ضرب المثل اب اس وقت بولتے ہیں جب سخت اختلاف رائے ہو اور لوگ اصلاح سے مایوس ہو گئے ہوں اور ایسے وقت میں کوئی فیصلہ کن بات کر بیٹھے۔[۳]

۲-كيف أعاودك وهذا أثر فأسك.[۴]

---

(۱) الميداني النيسابوري ،أبو الفضل أحمد بن محمد بن إبراهيم ،مجمع الامثال ، دار المعرفة ، بيروت (۱/۱)۔

(۲) الزمخشري،جار الله،المستقصى في امثال العرب،دارالكتب العلمية،۱۹۸۷ء(۲/۱۹۷)؛مجمع الامثال(۲/۹۱

(۳) مجمع الامثال(۲/۹۱)۔

(۴) المفضل بن محمد الضبي ،امثال العرب،دار الرائد العربي ۱۹۸۳ء(۱:۱۲۴) ؛ مجمع الامثال(۲/۱۴۵)۔

"میں کیسے تم پر دوبارہ اعتماد کروں حالانکہ یہ تمہاری کلہاڑی کا نشان ہے۔"

اس ضرب المثل کا بنیاد ایک قصہ ہے، جو عرب میں مشہور تھا۔ وہ قصہ یوں ہے کہ دو بھائی تھے جن کی زمین قحط سے متاثر ہوئی۔ ان کے قریب ایک سرسبز وادی تھی، ان میں سے ایک بھائی اس وادی میں جانور چرانے کے لیے اترا۔ اس وادی میں ایک بڑا سانپ رہ رہا تھا، سانپ نے ایک بھائی کو ڈس لیا جس سے وہ مر گیا۔ دوسرا بھائی سانپ سے انتقام لینے کی غرض سے آیا۔ سانپ نے اس سے کہا کہ مجھے چھوڑ دے اور اس وادی سے فائدہ حاصل کرتے رہو، نیز ہر روز مجھ سے ایک دینار لیا کرو۔ دونوں کا اس بات پر باہمی پختہ معاہدہ ہوا اس سے اس بھائی کا مال بہت زیادہ ہوا۔ ایک دن اس کو اپنے بھائی کے ساتھ سانپ کی وہ زیادتی یاد آگئی تو جوش میں آکر انتقام کی نیت سے کلہاڑی لی اور سانپ کی طرف قتل کی نیت سے آگے بڑھا لیکن اس کا وار خطا گیا اور اس کے وار سے سانپ کے موجود بل پر وار کا نشان رہ گیا۔ اب دونوں کے مابین معاہدہ ختم ہوا اور سانپ نے دینار دینا بند کر دیا۔ جب اس نے دیکھا تو سانپ سے پرانے معاہدے کی درخواست کی۔ سانپ نے جواب میں کہا: "كيف أعاودك وهذا أثر فأسك"[1]

اس کے بعد سانپ اور کلہاڑی کی بات مشہور کہاوت بن گئی جو وعدہ شکن آدمی کے وعدہ شکنی کے بیان کرنے کے لیے اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کے ساتھ دوبارہ عہد کی بات ہو رہی ہو۔

۳۔قبل النفاس كنت مصفرة.[2]

"یعنی: تُو تو نفاس سے پہلے بھی پیلی تھی۔"

یہ ضرب المثل ایسے بخیل شخص کے لیے بیان کی جاتی ہے، جس کے پاس مال موجود ہو، لیکن وہ اپنی غربت اور مال نہ ہونے کے بہانے کرتا ہو اور باوجود مالداری کے بخل سے کام لیتا رہے۔

۲۔ حِکَم (اقوالِ زریں)

'حکم' حكمة کی جمع ہے۔ یہ اس قیمتی اور دانائی سے بھری ہوئی بات کو کہتے ہے جو کسی مشہور حکیم سمجھدار یا صاحب تجربہ آدمی کے زبان پر جاری ہو۔ یہ مختصر مگر پُر مغز اور دلچسپ ہوتے ہے جو اپنے ایجاز کے باوجود مخاطب کے دل پر اثر انداز ہو کر اس کو مکمل فائدہ دیتا ہے۔

استاد علی الجندی حکمت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) مجمع الامثال (۱۴۵:۲)۔

(۲) ایضاً (۹۲:۲)۔

"والحکمة قول رائع یتضمن حکما صحیحا مسلما به"[۱]

یعنی:"حکمة اُس دلچسپ قول کو کہتے ہیں جو صحیح اور مسلمہ حکمت پر مشتمل ہو۔"

حِکَم (اقوال زریں) کا ادبی ورثہ

ضرب الامثال کی طرح قدیم عربی ادب میں حِکَم کا معتدبہ ورثہ ہم تک پہنچا ہے۔ عام طور پر ضرب الامثال پر مشتمل کتابوں میں اقوالِ زریں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اِس فن کی پہلی متداول کتاب ابو منصور الثعالبی رحمۃ اللہ علیہ کی دُرَرُ الحِکَمِ ہے جبکہ دوسری کتاب امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کی الامثال والحکم ہے جو ایک جلد میں چھپ گئی ہے۔

عرب میں اقوال زریں کے لیے بہت سارے لوگ مشہور ہوئے جن میں اکثم بن صیفی تمیمی اور عامر بن الظرب العدوانی قابلِ ذکر ہیں۔

چند عربی اقوالِ زریں کا مطالعہ

ذیل میں اہلِ عرب کے چند اقوالِ زریں مثال کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ "المزحة تذهب المهابة"[۲] "یعنی: مزاح، انسان کے رُعب اور ہیبت کو ختم کر دیتا ہے۔"

اسی قول کے ہم معنیٰ یہ قول بھی ہے:

"لا تمازحن الشریف فیحقد علیک، ولا الدني فیتجرأ علیک"[۳]

"معزز آدمی کے ساتھ مزاح نہ کرو، ورنہ اس کے دل میں تیرے ساتھ کینہ پیدا ہو گا اور نہ گھٹیا شخص کے ساتھ مزاح کرو، ورنہ وہ تم پر جری ہو جائے گا۔"

۲۔"صدرک أوسع لسرک"[۴]

"تیرا سینہ تیرے رازوں کے لیے دوسروں کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔"

---

(۱) علي الجندي، فی تاریخ الادب الجاهلي،مکتبة دار التراث ۱۹۹۱ء(۱:۲۶۰)؛جواهر الادب في ادبیات وإنشاء لغة العرب(ج:۲۶)۔

(۲) ابن قتیبة الدینوري ، عیون الاخبار، دار الکتب المصرية ۱۹۲۵ء(۱:۴۳۹)۔

(۳) ابو الطیب المعروف بالوشاء، الظرف والظرفاء، ت: کمال مصطفیٰ، مکتبة الخانجي، مصر ۱۹۵۳ء(ص:۱۵)۔

(۴) العقد الفرید(۱:۶۲)۔

یعنی اپنے راز کو اپنے سینے ہی میں رہنے دو، کسی دوسرے کے سامنے بیان نہ کرو۔ اس لیے کہ راز جب دوسرے کو بتا دیا جائے تو راز نہیں رہتا، جیسا کہ کہتے ہیں: "بات منہ سے نکلی اور کوٹھوں پہ چڑھی۔"

۳۔ خطابت

ہماری اردو زبان میں خطبہ بالعموم ایک مذہبی رنگ پر مشتمل تقریر کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن عربی زبان میں ہر قسم کی تقریر کو خطابت کہا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں فنِ خطابت کو ایک بلند مرتبہ حاصل تھا۔ جس طرح مختلف قبائل کے اپنے اپنے شعراء ہوتے تھے جو اپنے زورِ کلام سے قبیلے کا نام بلند کرتے تھے اور انہیں مکارمِ اخلاق پر ابھارتے تھے اسی طرح ہر قبیلے کے اپنے خطیب بھی ہوتے تھے جو نظم کی بجائے اپنی زور دار تقریروں سے یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔[1]

عصرِ جاہلی میں خطابت کے مقاصد اور منزلتِ خطیب

آج ہمیں عصرِ جاہلی کے نثری سرمائے میں کچھ خاص خطبے بھی موجود ملتے ہیں۔ یہ خطبے مختلف مقاصد کے لیے دیے جاتے تھے۔ کبھی تو نصیحت اور رہنمائی کی غرض سے ایک قبیلہ جمع ہو کر اپنے خطیب کی بات سنتا۔ کیونکہ پیغام رسانی کے منظم ذرائع موجود نہ تھے لہذا زبان آور لوگوں کو وفد بنا کر نمائندگی کے لیے بھیجنا بھی وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اسی طرح قبیلوں کے باہمی جنگ وجدال میں شجاعت اور دفاع پر اُبھارنے اور انتقام کا جوش پیدا کرنے کے لیے بھی شاعروں کے پہلو بہ پہلو خطیب کھڑے ہوتے۔ کبھی مختلف اجتماعی مواقع جیسے شادی اور خوشی میں بھی وہ خطیبوں کی خطابت سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دیتے تھے۔[2]

یہی ایک عام اور مقبول رائے چلی آرہی ہے کہ اس زمانے میں فنِ خطابت موجود تھی۔ اس لیے کہ جو قوم کسی منظم حکومت اور قانون کے بغیر صحرا میں قبائلی زندگی بسر کر رہی ہو اور ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج بھی نہ ہو، تو ان کے ہاں رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لیے خطابت کا ہونا ایک فطری امر ہے۔

آغازِ اسلام کے بعض واقعات سے بھی خطابت کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے، جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مسیلمہ کذاب حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے بعد خلافت اُس کے لیے وصیت کرنے کی شرط پر اتباع کی یقین دہانی کرائی تو آپ ﷺ نے سیدنا قیس بن ثابت بن شماس رضی اللہ عنہ کو بات کرنے کا کہا جو

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: الجاحظ ،البیان والتبیین، مکتبة الخانجي،۱۹۹۸ء (۱:۱۰)۔

(۲) أیضاً۔

'خطیب الرسول ﷺ' کہلاتے تھے۔[۱]

زمانۂ جاہلیت میں فنِ خطابت کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بلکہ خطیب کا درجہ اس دور میں شاعر کے درجہ سے بھی بڑھ کر تھا۔ عثمان بن بحر المعروف بالجاحظ نے عمرو بن علاء کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"زمانۂ جاہلیت میں پہلے پہل شاعر کو خطیب سے بلند مرتبہ سمجھا جاتا تھا لیکن جب شعر و شعراء کی کثرت ہو گئی، لوگوں نے اِس کو کمائی کا ذریعہ بنایا اور شعراء لوگوں کی مال و دولت کی طرف لپکے تو اُن کی نگاہ میں شاعر کا درجہ کم اور خطیب کا درجہ بلند ہو گیا۔"[۲]

علامہ جاحظ نے اس حقیقت کے اعتراف میں خود بھی عمرو ابن علاء کی پیروی کر کے یہی فرمایا ہے کہ شعراء کا مرتبہ اگرچہ جاہلیت میں بلند تھا لیکن شعر و شاعری کی کثرت کے بعد خطیب کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور شعراء سے اونچے درجے پر فائز ہو گئے۔

عصرِ جاہلی کے چند مشہور خطباء کا تعارف

اِسی زمانہ میں جن خطباء نے اپنے زورِ بیان کی وجہ سے شہرت حاصل کی اُن میں سے ایک قس بن ساعدہ الایادی ہے، جس کو بہت لمبی عمر سے نوازا گیا تھا۔ دوسرا مشہور نام سحبان بن وائل باہلی کا ہے جس کی فصاحت ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: "فلان أخطب من سحبان" یعنی "فلاں شخص سحبان سے بڑھ کر خطیب ہے۔" کہا جاتا ہے کہ جب وہ خطبہ دیتا تو سمندر کی طرح بہتا، نہ ایک کلمہ دوبارہ لوٹاتا اور نہ کوئی توقف کرتا۔[۳]

اسی طرح قبیلہ بنو تمیم کے مشہور خطباء میں سے ضمرہ بن ضمرہ، اکثم بن صیفی، عمرو ابن اہتم منقری اور قیس بن عاصم کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

خطیب کی زبان آوری کو انتخابِ الفاظ، کثرتِ معنیٰ اور اختصارِ کلام جیسے معیاروں پر پرکھا جاتا تھا۔ چنانچہ دورِ جاہلیت کے اکثر خطبے چھوٹے اور پُر مغز جملوں پر مشتمل ہوتے تھے اور خطاب خوبصورت اور مؤثر ہوتا تھا۔

قیس بن ساعدہ الایادی کا خطبہ

'قیس بن ساعدہ الایادی' کا نام فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل ہے۔ اُس کی امتیازی حیثیت، خطباء کے

---

(۱) صحیح مسلم (رقم: ۲۲۷۳)۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: البیان والتبیین (۱:۲۸۱)۔

(۳) ایضاً۔

سر خیل کی سمجھی جاتی ہے۔ اُن سے منسوب خطبات اور اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دین بر حق کا منتظر تھا۔ اس کے عقائد اس کے سلیم الفطرت ہونے کی دلیل ہیں۔ ذیل میں نمونے کے طور پر اس کا خطبہ ذکر کیا جاتا ہے:

" أيها الناس اجتمعوا ثم اسمعوا وعوا، كل من عاش مات، وكل من مات فات، وكل ما هو آتٍ آتٍ، إن في السماء لخبرا، وإن في الأرض لمعتبرا، نجوم تمور، وبحار لا تبور، وسقف مرفوع، ومهاد موضوع، ما للناس يذهبون ثم لا يرجعون، أرضوا فأقاموا أم تركوا فناموا ؟ إن الله لديناً أحب إليه مما نحن فيه؟"(۱)

"لوگو! سنو اور دل میں محفوظ کرو، جو جیتا ہے وہ مرتا ہے اور جو مر جاتا ہے وہ چلا جاتا ہے۔ اور جس چیز کو آنا ہو وہ آکر ہی رہے گی۔ بلاشبہ آسمان رازوں سے لبریز ہے اور بے شک زمین میں عبرتیں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ گھومنے والے تارے، اچھلتی دریائیں، اُٹھایا گیا چھت اور بچھائی گئی زمین اِس بات کی شاہد ہے کہ جو چلے گئے وہ لوٹنے والے نہیں۔ کیا وہ لوگ دنیا پر قانع ہو کر یہیں کے رہ گئے یا ان کی خبر نہ لی گئی تو وہ سو گئے؟ بلاشبہ اللہ کا ایک ایسا دین ہے جو تمہارے اس دین سے زیادہ پسندیدہ ہے۔"

ہاشم بن عبد مناف کا خطبہ

اسلام کے آنے سے پہلے بھی قریش کو اطراف واکناف میں معزز تصور کیا جاتا تھا۔ بیت اللہ کی زیارت کے لیے مختلف قبائل دور دراز سے آتے تھے، قریش ان حاجیوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ قبیلۂ قریش نے اِس خدمت کو آپس میں تقسیم کر دیا تھا۔ حجاج کرام کے کھانے پینے کا انتظام عبد مناف کے ذمہ تھا، بعد میں یہ سقایہ اس کے بیٹے ہاشم کو منتقل ہوا۔

ہاشم بنِ عبدِ مناف نے موسمِ حج میں ایک خطبہ دیا جو قریش کو بیت اللہ کے زائرین کے اکرام کے لیے اُبھار رہا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

"يا معشر قريش! أنتم سادة العرب، أحسنها وجوهًا، وأعظمها أحلامًا، وأوسطها أنسابًا، وأقربها أرحامًا. يا معشر قريش! أنتم جيران بيت الله، أكرمكم بولايته، وخصكم بجواره، دون بني إسماعيل، وحفظ منكم أحسن ما حفظ جار من جاره؛ فأكرموا ضيفه، وزوار بيته؛ فإنهم يأتونكم شعثًا غبرًا من كل بلد، فو ربّ هذه البنية، لو كان لي مال يحمل ذلك لكفيتكموه، ألا وإني مخرج من طيب مالي وحلاله، ما لم يقطع فيه رحم، ولم يؤخذ بظلم، ولم يدخل فيه حرام، فواضعه؛ فمن شاء منكم أن يفعل مثل ذلك، وأسألكم

(۱) امثال العرب(۱:۱۱۳)؛ العقد الفريد(۴:۲۱۵)۔